کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اعلیٰ حضرت کا قلمی جہاد

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ

تالیف
مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

باہتمام
مولانا محمد صادق [illegible] قادری

مکتبہ امام غزالی

مبسملا و محمد لا و مصليا و مسلّما على امام الانبياء والمرسلين

و علیٰ آله الطیبین و اصحابه الطاهرین و علیٰ اولیاء امته الکاملین و علماء ملته الراسخین

اما بعد! قیامت میں شہدا کا خون اور علماء کی سیاہی تو لے جائیں گے تو علماء کی کتابوں کی لکھی ہوئی سیاہی غلبہ پا جائے گی ان خوش بخت علماء کرام میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت بھی ہے جو اپنے ہم جھولیوں سے نمایاں ہوں گے اس لئے کہ آپ نے اپنے دور میں اپنے ہم جھولیوں میں سب سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائیں طرفہ یہ کہ آپ کی ضخیم تصانیف کا تو کیا کہنا چھوٹے چھوٹے رسائل بھی ایسے ابحارِ بے مثل ذخار ہیں کہ ہمارے جیسوں کی بڑی تصانیف ان کے ایک رسالہ کے سامنے دریائے بے کنار کا ایک قطرہ۔ فقیر نے اس دعویٰ کی دلیل میں رسالہ اعلیٰ حضرت کا قلمی جہاد پیش کیا ہے کہ الحمد للہ اہلِ علم نے اسے خوب سراہا۔

اب فقیر اس کی اشاعت عزیزم .... کے سپرد کرتا ہے۔ اللہ انہیں دارین میں شاد و آباد رکھے۔ (آمین)

بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۲۳ محرم ۱۴۲۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اپنی زندگی کی غرض خود بتائی آپ نے اعلان فرمادیا کہ مجھے تین کاموں سے دلچسپی ہے اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے:۔

(۱)……تحفظ ناموسِ رسالت سیّد المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کرنا۔

(۲)……ان کے علاوہ دیگر بدعتیوں کی بیخ کنی جو دین کے دعوے دار ہیں حالانکہ مفسد ہیں۔

(۳)……حسبِ استطاعت اور واضح مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی۔ (الاجازۃ الرضویۃ المکۃ البہیۃ ۳۷، ۳۸ قلمی)

اپنی عظیم تصانیف میں بھی یہی فرمایا کہ فقیر کے سپرد ناموسِ رسالت کا تحفظ اور خدمتِ فقہ کی گئی جس کو یہ حسبِ استطاعت انجام دے رہا ہے۔ آپ نے ان گستاخانِ بارگاہ رسالت وہابیوں اور دیوبندیوں وغیرہ کے عقائد باطلہ کے رد میں دوسو سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (الدولۃ المکیہ، ص ۱۴۹)

اخلاقی مسائل میں عقائد حقہ اہلسنّت کو ثابت کرنے کیلئے اور عقائد باطلہ کے رد کیلئے قرآن کریم، احادیث نبویہ اور فقراء و علماء و صلحاء سے دلائل کے انبار لگادیئے بعض مسائل پر دوسو سے زائد دلیلیں پیش کیں کہ دشمنِ دین کے فرار کے تمام راستے بند کردیئے۔

امام اہلسنّت نے ان بے ادب وہابیوں اور دیوبندیوں کے بے ادبی کے قلعوں اور مرکزوں پر قرآن و حدیث اور اقوال فقہائے کرام سے عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے وہ تیر برسائے کہ ان بے ادبوں کے قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ان کے فرار کے تمام راستے بند کردیئے پھر ان کے تمام اقوال باطلہ اور عقائد ضالہ کی دھجیاں اڑادیں۔ فرقہائے باطلہ بالعموم اور وہابی دیوبندی سب ہی کو امام اہلسنّت فاضل بریلوی نے ایسا رائیگاں کردیا تھا کہ بچہ بچہ پہچان گیا تھا کہ یہ تمام باطل پرست اور گمراہ عقیدے رکھنے والے اور تمام وہابی اور دیوبندی توحید و رسالت کی توہین کرنے والے ہیں، اللہ عزوجل اور اس کے رسول معظم حضور سرورِ کائنات ارواحنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں بدترین بے ادبی اور گستاخی کرنے والے ہیں۔

عظمت الٰہی اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دلائل کا انبار لگاتے ہوئے آپ نے قدم بڑھایا اور دشمن دین کو للکارا کہ ؎

کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

آپ نے نہایت جرأت و بہادری سے ناموسِ رسالت کے دشمنوں پر واضح کردیا کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ بارگاہ مصطفیٰ میں گستاخیاں کرنے والوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا آپ نے حق پرستوں کو آواز دی ؎

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

آپ نے اس جہاد میں قلمِ مبارک کے وہ جوہر دکھلائے اور اعدائے اسلام پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ ممکن تلوار بھی ایسے کارنامے سرانجام نہ دے سکتی۔

اہلِ علم کو خوب معلوم ہے کہ دشمنانِ اسلام جس مسئلہ پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سمجھے کہ یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے آسانی سے کوئی بھی اس کو نہ گرا سکے گا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے قلم نے اس کی ایسی دھجیاں بکھیریں کہ دشمن کا وہ مضبوط قلعہ ریت کی طرح بہہ گیا پھر ہمیشہ تک اس کا نام ونشان بھی نہ رہا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے اس جہاد پر کمربستگی سے پہلے رافضیت اور خارجیت مُسلّمہ عقائد کا وجود خطرات میں ڈالے ہوئے ہیں کہ عشقِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ لاہوتی کو ختم کرنے کیلئے نجد کے صحراؤں سے ایک آندھی اٹھتی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کی تائید ہوتی ہے اور بہت سے سادہ لوح مسلمان توحید پرستی کے زعم میں رسول کو فراموش کر بیٹھتے ہیں جو کہ ایمان کی اساس ہے۔ مسلم زعماء دھڑا دھڑ ایسی تصانیف پیش کر رہے ہیں، جن سے جہاد کی مذمت اور انگریز کی اطاعت کی تعلیم ملتی ہے۔ انگریزی سامراج کے سائے میں پرورش پانے والا ہندو مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے کیلئے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ وطن پرستی کے نام پر ہندو مسلم علماء کے ایک طبقے کو شیشے میں اتار کر ہندو مسلم سکھ بھائی بھائی کا نعرہ لگا کر دوقومی نظریہ اسلام کی دھجیاں بکھیرنے پر تلا ہوا ہے۔ مسلم زعماء کی اسلامی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ خلافت کی تحریک چلاتے ہیں تو برصغیر کے سب سے بڑے اسلام دشمن مسٹر گاندھی کو منبرومحراب کی زینت بنانے لگتے ہیں۔ مصلحت کے اسیران مسلمانوں کو سبھاش چندربوس اور پٹیل میں بھی عظمتِ اسلاف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں مسلم تہذیبی اداروں میں ہندو سیاست کا مرکز بنایا جا رہا ہے۔ اصلاح عقائد کے نام پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت آپکے کردار اور لامتناہی علم کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امکان کذب باری کے سلسلہ میں خدا کی ذات بھی احتساب سے بالاتر نظر نہیں آتی۔ یہ دور کٹھن بھی ہے اور پُرفتن بھی۔ تحریک ترکِ موالات کے نام پر پہلے سے پسماندہ مسلمان کے گھر لٹوائے جا رہے ہیں۔ مسائل بے شمار ہیں۔ مگر اتنے مصلحین ایک ہی وقت میں کس طرح دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اہلِ ایمان روشنی کی کرن کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ کو حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر جنم لینے والے امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کی صورت میں برصغیر کے مسلمانوں کو وہ شخصیت عطا ہوتی ہے جو گفتار کے غازی اور کردار کی دھنی ہے۔ جس کی زبان محبت رسول کی فیض ترجمان بن چکی ہے۔ اس دانائے راز کی نظر مسلمانوں کی سیاسی اخلاقی اور تہذیبی ابتری کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن تحریکات پر بھی پڑتی ہے۔ اسکے ارادوں میں سنگ خارا کی سختی اور سمندروں کی فراخی ہے۔ اسکا حوصلہ پہاڑوں سے سربلند اور فہم انسانی کی وسعتوں سے ماورا ہے۔ اسے احساس ہے کہ اسے جو بھی جنگ لڑنا ہے اسے ایک ہی وقت میں کئی دشمنوں سے جنگ کرنا ہے وہ مدافعت کا ہی نہیں بلکہ غنیم کی صفوں پر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کے انداز بھی جانتا ہے۔

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے جب اسلامیانِ برصغیر کے دلوں میں جھانک کر دیکھا تو انہیں یہ دل عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت سے محروم نظر آئے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک عشقِ رسول وہ مرکز محور ہے جس کے گرد روح ارضی طواف کرتی ہے۔ اُمت حضور کے دلوں کو عقیدت رسول کی تپش سے آشنا کرنے کیلئے آپ نے اپنی تمام فکری، نظری، علمی، عملی، روحانی، قلمی اور ادبی و شعری صلاحیتوں سے کام لیا۔ اعلیٰ حضرت بجا طور پر سمجھتے تھے کہ جب تک اُمت اسلام عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا خضرِ راہ نہیں بنائے گی اس وقت تک منزل آشنا نہیں ہو سکے گی۔ عشق مصطفوی کی شمعیں ضوفگن کرتے ہوئے جب آپ نے ماحول پر ایک نظر ڈالی، تو ایسی کتب کثیر تعداد میں نظر آئیں، جن میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص اور گستاخی کے پہلو غالب تھے۔ اس پر اعلیٰ حضرت کا دِل تڑپ اٹھا۔ آپ نے ان کتب کے مصنفین کی توجہ کفریہ عبارات کی طرف مبذول کرائی، تو بجائے اس کے کہ یہ حضرات بارگاہ مصطفوی میں معذرت طلب ہوتے انہوں نے اسے انا کا مسئلہ بنالیا اور اپنی گستاخانہ عبارات کی حمایت میں کتب پیش کرنے لگے۔ اعلیٰ حضرت کا قلم حرکت میں آیا اور آپ مجاہدانہ شان کے ساتھ میدان میں اترے ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں حدیث، سر پر نصرتِ الٰہی کا سایہ اور مردانِ الٰہی کا دور سابق میں یہی حال رہا ہے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱..... امام ابو اسحاق اسفرائنی کو معلوم ہوا کہ بدعات ہورہی ہیں پہاڑوں پر تشریف لے گئے ان علماء کے پاس جو مجاہدات میں مصروف تھے۔ انہیں فرمایا کہ سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور اُمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنوں میں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ امام یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے ہو نہیں سکتا۔ امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔ (الملفوظ، ج ۱، ص ۸)

۲..... امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا جنت عطا کی گئی نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کیساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیئے سے ہوشیار کرتا ہے۔ مانیں نہ مانیں یہ ان کا کام۔ فرمایا کہ بھونکے جاؤ بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے جو شخص عزلت نشین ہوگیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے نہ اس کی آنکھوں کو نہ اس کے کانوں کو۔ اس سے کہئے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑ رہی ہے۔ (الملفوظ، ج ۳، ص ۳۸)

اب آپ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے۔ پوری زندگی خدمت دین اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ہوشیار کرنے اور رہزنانِ دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے جس کا نقشہ اس سے پہلے والے عنوان میں پیش کر چکا ہوں اور یہ سلسلہ بعد وصال بھی جاری ہے ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظتِ دین و مسلمین ہوتی جا رہی ہے اور دوسری طرف مخالفین کی گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے، یہی وہ عظیم مجاہد تھا کہ ان کے مرشدِ طریقت نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ خلافت و اجازت کیساتھ تمغۂ امتیاز بھی بخش دیا کہ روزِ قیامت اگر احکم الحاکمین نے فرمایا، آلِ رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔

۳......علامہ ابن الجوزی صفۃ الصفوۃ میں حضرت سفیان بن عینیہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، ارفع الناس منزلۃ من کان بین اللّٰہ و بین عبادہ و ہم الانبیاء والعلماء لوگوں میں سب سے بلند رتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں۔ یہ انبیاء ہیں اور علماء۔

ایک صحرا نشین خلوت گزیں عابد مرتاض صرف اپنے کو نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے اور ایک مخلص و بے ریا صاحبِ ہمت و مجاہدہ عالمِ ربانی ایک جہاں کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ بھلا یہ اس سے کم کیوں کر ہوسکتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے افضل واعلیٰ ہے بشرطیکہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے اس کا مقصود ذاتِ احد اور خوشنودیٔ خدا و رسول ہو اور یہ شرط تو خلوت گزیں عابد مرتاض کیلئے بھی ہے۔ ذلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء (معارف رضا شمارہ دہم)

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ سن شعور سے لے کر تا وصال احیائے اسلام کیلئے نہ صرف متفکر رہے بلکہ عملی طور جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنان اسلام کی سرکوبی فرمائی اور آپ کے بالمقابل بھی کوئی معمولی لوگ نہ تھے بلکہ وہ تو ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس تھے اور دنیوی اسباب کی انہیں کسی قسم کی کمی نہ تھی اور ادھر تنہا مرد خدا امام احمد رضا۔ اس وقت جو آپ کو منظر پیش آیا اپنے ایک شعر میں اسے یوں بیان فرماتے ہیں ؎

بادل گرجے بجلی تڑپے دھک سے کلیجہ ہوجائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

یعنی بادل گرجے بجلی تڑپے اس کے خوف سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے دل پر خوف چھا جاتا ہے کہ جنگل ویران میں ہوں۔ اس شعر میں بھی اپنے دور کی سیاسی اور مذہبی زبونی کا حال ظاہر فرمایا ہے اور ساتھ ہی اشارہ فرمایا ہے کہ اسلام کو مٹانے کیلئے کتنا ہولناک اور بھیانک ماحول تھا کہ دل کانپ جاتا ہے اور خوف سے کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ اس کی تصدیق وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں اس تاریک ماحول سے واقفیت ہے۔

سیاست کی پُر خار وادی

امام احمد رضا قدس سرہ کے دور کے سیاسی ماحول کا ایک مختصر خاکہ ملاحظہ ہو۔

آزادی کے متوالے شمع حریت پر پروانہ وار نثار ہونے کیلئے میدان عمل میں آگے بڑھ رہے تھے۔ ایسے تاریخ ساز لمحات میں بعض حضرات گاندھی کو ولی ثابت کرنے میں مصروف تھے مسلمانوں کے اس موذی دشمن کو مسجد و محراب میں لاکر منبر پر بٹھایا جارہا تھا اسی دوران تحریک خلافت چلی اور اس کے ساتھ ہی تحریک ترک موالات کا بہت شہرہ ہوا، اگرچہ ان تحریکات میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے کئی مسلم رہنما پیش پیش تھے مگر ان تحریکات کو گاندھی اور نہرو جیسے دشمن ہندو لیڈروں کی آشیر باد حاصل تھی بھلا گاندھی کو خلافتِ اسلامی کے قیام سے کیا دلچسپی ہوئی تھی وہ تو صرف خرمنِ اسلام کو جلتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا خاں نے کس طرح ملت اسلامیہ کی راہنمائی کی، اس کی ایک جھلک مشہور مورخ میاں عبدالرشید کی تحریر میں ملاحظہ کیجئے۔

آپ (اعلیٰ حضرت) کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے میدان سیاست میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی سخت مخالفت کی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہندو مفادات کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ حضرت بریلوی کا موقف یہ تھا کہ کافروں اور مشرکوں سے مسلمانوں کا ایسا اشتراکِ عمل نہیں ہوسکتا جس میں مسلمانوں کی حیثیت ثانوی ہو۔ انہوں نے گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے جانے کی مخالفت کی کیونکہ قرآن پاک کی رو سے مشرکین نجس اور ناپاک ہیں۔ آپ قائداعظم کی طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے مخالف تھے کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس براعظم کے مسلمانوں کے مفادات کے منافی تھیں۔ حضرت بریلوی کا کہنا تھا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے انہیں چاہئے کہ وہ دونوں آنکھیں کھولیں یعنی ابھی وہ صرف انگریز کی مخالفت دیکھ سکتے ہیں۔ ہندو کا تعصب اور عداوت نہیں دیکھ پائے۔ (جہان رضا مرتبہ مرید احمد چشتی ۱۴۰۱ھ)

امام احمد رضا خاں انگریز دشمنی کے ساتھ ہندو دشمنی کے بھی قائل تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کا دکھاوے کیلئے جب بھی ساتھ دیا تو ساتھ ہی ترک گاؤکشی کا مطالبہ بھی کردیا۔ تحریک خلافت اور پھر تحریک ترک موالات کے زمانے میں (۱۹۱۹ء ۱۹۲۲ء) ترک گاؤکشی کا مطالبہ بھی کیا گیا تو مسلم عمائدین نے سیاسی پلیٹ فارم سے اس کی تائید کردی۔ اعلیٰ حضرت نے ہندوؤں کے مخفی عزائم کو بھانپ کر ان کی دکھاوے کی دوستی اور مسلم عمائدین کی ہندو نوازی کا بھرم کھول کر سلطنت اسلامیہ کیلئے ہموار کی۔

تحریک آزادیٔ ہند کے ایک دور میں بعض علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ہجرت پر اکساتے رہے۔ اس ہجرت کا فائدہ ہندوؤں کو ہی پہنچا۔ کسی ہندو نے ہندوستان نہ چھوڑا بلکہ یہ ملک چھوڑنے والوں کی جائیدادیں اونے پونے داموں میں خریدتے رہے اور جب یہ خود ساختہ مہاجرین ذلت و خواری کے بعد واپس آئے تو ان کیلئے گھر اور گھاٹ دونوں کا تصور خواب بن چکا تھا۔

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

رسالہ اعلام الاعلام، انفس الفکرفی قربان البقراور وام العیش میں ان ہی مسائل کے بارے میں بحث ملتی ہے۔ امام احمد رضا خاں سے ترکی کے حکمراں کی حالت چھپی نہ تھی۔ وہ اسے سلطان تو سمجھتے تھے مگر خلافت اسلامیہ کے سربراہ ہونے کے ناطے خلیفۃ المسلمین ماننے کو تیار نہیں تھے۔ آپکے نزدیک شریعت اسلامیہ میں خلیفہ اسلام کیلئے شرائط اوران کی اتباع وحمایت کے احکام جدا جدا تھے۔ قدرت نے حضرت بریلوی کے موقف کی اس طرح تائید کی کہ ہندوستانی علماء تو گاندھی کو ساتھ ملا کر نام نہاد خلافت کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے اسلام کے بہت سے بنیادی اصولوں سے روگردانی کرتے رہے اورادھر ترکی کے اندر مصطفیٰ کمال پاشا نے باطل قوتوں کے خلاف آگ اور خون کے دریا عبور کرتے ہوئے ترکی کی نشاط ثانیہ کی بنیاد رکھ دی اور خود ہی خلافت کے خاتمہ کا اعلان کردیا۔ کمال اتاترک کا یہ اعلان اعلیٰ حضرت بریلوی کی فقہی بصیرت، سیاسی پختگی، دینی استواری اور مستقبل بینی کا بین ثبوت تھا، یوں معلوم ہورہا تھا کہ آپ کی مسلمانوں کی بہبودی کیلئے تدابیر خدا کی تقدیر کا پَرتَو لئے ہوئے تھیں کہ ؎

ڈھلتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم　　　لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

جب سورج چمکنے لگتا تو اس کی روشنی کو کم کرنے کیلئے سائے منڈلانے لگتے ہیں مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں کہ

سورج کا ہے کام چمکنا سورج آخر چمکے گا

آپکے حاسدین اور معاندین نے آپ کی ہندودشمنی اور گستاخانہ عبارات پر ان کو ٹوکنے کی پاداش میں آپ پر انگریز دوستی کے الزام عائد کردیا۔ جب اس الزام کی نوعیت اوراس سے متعلق امور کا جائزہ لیا گیا تو یہ عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے تمام حریت پسندوں سے بڑھ کر انگریز دشمن ثابت ہوا۔ آپ کے مزاج آشنا سید الطاف علی بریلوی اس صورت حال کا یوں جائزہ لیتے ہیں۔

سیاسی نظریے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے۔ انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزدگان مولانا حامد رضا خاں، یا مصطفیٰ رضا خاں صاحب کبھی تصور بھی نہ ہوا۔ والیانِ ریاست اور حکامِ وقت سے بھی قطعاً راہ ورسم نہ تھی۔ (گناہ بے گناہی، ص ۴۳)

اور ڈاکٹر سید الطاف حسین کے لفظوں میں:

تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ کبھی نہ بولا گیا ہو کیونکہ حقیقت اس کے قطعاً برعکس تھی۔

بد مذہبی محاذات

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کو زندگی میں جن محاذات مذہبی سے مقابلہ رہا، ان کی مختصر روئداد حاضر ہے۔

۱...... مرزائی قادیانی محاذ

انگریز کا خود کاشتہ پودا قادیانیت کی صورت میں زمین میں جڑیں پکڑ رہا تھا۔ انگریز کی حکومت ہر ممکن طریق سے قادیانیت کو نواز رہی تھی تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت یعنی عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دم توڑ جائے۔ ناسمجھی یا کم فہمی کی بنا پر بعض دیوبندی اور اہلحدیث علماء کی تحریریں بھی ان کو جواز مہیا کر رہی تھیں۔ اس دورِ پُر آشوب میں امام احمد رضا کی تصنیف الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۴۰ھ) قول فیصل بن کر طلوع ہوئی۔ آپ کی بانگِ درا نے قادیانیت کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا۔ اس کے علاوہ السوء والعقاب (۱۳۲۰ھ) المبین ختم النبین (۱۳۲۶ھ) اور قہر الدیان علی مرتد بقادیان جیسے علمی و فقہی شہ پارے تخلیق کر کے ثابت کر دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی اور مجدد تو کجا ایک عام انسان کے معیار پر بھی پورا نہیں اترتا۔ ایسے عالم میں جبکہ حکومت وقت قادیانیوں کو زبردست مسلمان قرار دینے پر تلی ہوئی ہو اور عامۃ الناس بھی انگریز کے اس فرزند کے سیاسی مضمرات سے غیر آگاہ ہوں، اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے بے شمار بھولے بھٹکے مسلمانوں کو پھر سے جادۂ حق پر گامزن کر کے عشقِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دولتِ لازوال سے بہرہ ور کر دیا۔

۲...... مذہبی محاذ وہابی دیوبندی

امام اہلسنت کیلئے کٹھن ترین مسئلہ اپنے اسلاف کے مسلمہ عقائد ونظریات کی تبلیغ وترویج تھی قدرت ان کو ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری کیلئے منتخب کر چکی تھی۔ اعلیٰ حضرت تو عشق کے بندے تھے۔ وہ کسی کو چھیڑنا یا کسی کی دل آزاری کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن جہاں ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطرے میں ہو، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کرنے کیلئے مختلف ہتھکنڈے آزمائے جا رہے ہوں، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت، بے مثال بشریت، علم غیب کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکیک عبارات لکھی جا رہی ہوں، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل سے انکار کیا جا رہا ہو، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن قدسی کو نشانہ بنانے کیلئے بے محل تراکیب اور توہین آمیز تشبیہات واستعارات سے کام لیا جا رہا ہو۔ وہاں آقائے دوعالم افتخار آدم و بنی آدم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ غلام کہ جسے عبدالمصطفیٰ ہونے کا دعویٰ تھا کب تک خاموش رہتا اور کیوں خاموشی اختیار کرتا؟ اگر اعلیٰ حضرت خاموش رہتے تو ان کی خاموشی منافقت اور مصلحت اندیشی کا دوسرا نام ہوتی۔ وہاں تو آتشِ نمرود آپ کو کردارِ خلیل کیلئے آمادہ کر رہی تھی کہ ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

یہی حکمِ اذاں اب امام احمد رضا کا مقدر بن چکا تھا۔ آپ نے گالیاں کھائیں، مخالفین نے آپ پر بدعتی اور مشرک ہونے کے فتووں کی بوچھاڑ کر دی، شیشے کے گھروں کے مکین آپ کے سخت دشمن تھے۔ آپ کی شخصیت کو مسخ کیا جا رہا تھا، آپ پر کچہروں میں مقدمے چلائے جا رہے تھے، دشمنوں نے انگریزی تھانوں میں رپٹ لکھوا دی تھی ؎

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مگر اس مردِ حق آزما کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ گالیوں کا خراج وصول کرتا رہا۔ اغیار کی سنگباری پر مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ تمام ابتلائیں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالاتری کے نام پر اس پر نازل ہو رہی تھیں۔ اب فقط مدافعت کا وقت نہیں رہا تھا بلکہ حریفوں کے قلعوں پر ضرب کاری لگانے کا وقت تھا۔ سلطان دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اس پر سایہ فگن تھی رحمتِ خداوندی شاملِ حال تھی۔ اس نے زبان سے ڈھال کا اور قلم سے تلوار کا کام لیا اور تمام باطل قوتوں کو للکارتے ہوئے کہا ؎

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

عظمت وشان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اجاگر کرنے کیلئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے خصائصِ مصطفوی اور مقاماتِ نبوت کے نام پر درجنوں کتب تصنیف کیں۔ آپ نے اور آپ کے شاگردوں اور متاثر علماء نے بے شمار مناظرے کئے۔ مگر آپ نے کہیں بھی سوقیانہ یا رکیک زبان استعمال نہیں کی البتہ اس زبان پر ضرور اعتراض کیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اغیار نے استعمال کی۔

۳...... مذہبی محاذ روافض

قادیانیت اور گستاخانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعاقب جاری رکھنے کیساتھ ساتھ آپ نے رافضیوں اور خارجیوں کے نظریات پر بھی قرآن وسنت کی روشنی میں مثبت تنقید کی۔ اثنا عشری حضرات جب اہل بیت کے نام پر عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمدردیاں حاصل کر رہے تھے اور ڈر تھا کہ یہ فتنہ ملت احناف کی صفوں میں رخنہ اندازی کا باعث نہ بن جائے اس مقصد کی خاطر آپ نے ردالرفضۃ (۱۳۲۰ھ) الادلۃ الطاعنۃ (۱۳۰۶ھ) اور رسالہ تعزیہ داری (۱۳۲۱ھ) تصنیف فرمائے۔ ان کتب میں آپ نے شیعہ حضرات کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کیلئے ان کی رسوم اور بہت سے عقائد کو دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متصادم قرار دیا۔ شیعہ حضرات کی اصلاح کیلئے آپ نے اور بھی کئی رسائل لکھے۔ اس ضمن میں بعض رسائل اہلسنّت وجماعت کی اصلاح عقائد کیلئے تحریر فرمائے کہ اور کوئی تحریک اصلاح کے پردے میں ان کی تخریب کا سامان مہیا نہ کردے۔

رات بہت سے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

کے مصداق غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے کاروان عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے حدی خوان کا کردار کیا۔ آپ نے نہ صرف ان کفریہ عبارات کا رد کیا بلکہ سلطان دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ اور خصائل و فضائل واضح کرنے کیلئے درجنوں تحقیقی اور تاریخی کتب تصنیف فرمائیں۔ آپکا نعتیہ مجموعہ حدائق بخشش عشق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل دستاویز ہے۔ عشق رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ضمن میں آپ کے بدترین مخالف بھی آپ کی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کو آپ کیلئے توشہ آخرت جانتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال پر جناب اشرف علی تھانوی کا اظہار تعزیت اور آپ کے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ کو خراج پیش کرتا ہے کہ میرے دل میں احمد رضا کا بے حد احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔ (چٹان لاہور ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ھ)

خلاصہ یہ کہ وہ ایک فرد واحد تھا مگر پوری ملت کا ترجمان وہ ایک مرد حق تھا مگر پوری ملت اسلامیہ کے عقائد کا پاسبان وہ غوث الاعظم کے پرچم بردار، امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کا پاسدار، غزالی کے تدبر کا افتخار، رازی کی گرہ کشائیوں کا امانتدار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تعلیمات کا شارح، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی شانِ تجدید کا آئینہ دار، امام فضل حق خیر آبادی کی حق گوئی کا علمبردار اور علامہ کفایت علی کافی کے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دُرِّ شاہوار تھا۔ اس کا اپنا کوئی نہیں تھا وہ تو عمر بھر عظمت و شان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے مصروف جہاد رہا، وہ کسی نئے فرقے کا بانی نہیں تھا بلکہ وہ تو زندگی کی آخری ساعتوں تک اسلام کی نشاطِ ثانیہ کیلئے محو عمل رہا۔ وہ کسی جدید نظریئے کا خالق نہیں تھا بلکہ اس کے دل کی دھڑکنیں گنبدِ خضراء کی نورانی طلعتوں سے حیاتِ نو لیتی رہیں مگر اس کے باوجود اس کا نام برصغیر پاک و ہند میں ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں سنّیت کا اظہار اور عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعزاز بن چکا ہے۔ اب وہ محض ایک شخص نہیں رہا بلکہ اس کا نام لیجئے۔ پوری صدی کی داستانِ عشق و عقیدت کا ایک ایک ورق ہماری عقیدتوں کا خراج لے کر اس کے وجود تنہا کو پوری صدی پر محیط کر دیتا ہے۔

آخر وہ مجدد ملت جو ٹھہرا آخر وہ ہمہ صفت موصوف جو ٹھہرا

دیگر مذہبی محاذات

یہ محاذات جن کا فقیر نے مختصر لفظوں میں ذکر کیا ہے جو بین الاقوامی طور مشہور ہیں پھر ان کی ذیلی ٹولیوں کو دیکھا جائے تو وہ بھی درجنوں نظر آئیں گی ان کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے محاذ بھی ملک میں قائم ہوئے جو بظاہر تو چھوٹے تھے لیکن قوت وطاقت کے لحاظ سے بڑے مضبوط اور موٹے تھے مثلاً ندوہ کا فتنہ، سجدۂ تعظیمی کا سجدہ اور غلط مسائل وعقائد فاسدہ کا فتنہ مثلاً ایک جماعت نے کہہ دیا کہ حضور سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علے الاطلاق افضل نہیں یا پیر پرستوں کے ایک گروہ نے کہہ دیا کہ سیّدنا احمد رفاعی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے خداداد صلاحیت سے تمام فتنوں کو نہ صرف دبا دیا بلکہ انہیں مٹا کر رکھ دیا۔

حاسدین کی بھر مار

میرے نزدیک انسان کو سب سے زیادہ دکھ حاسدین سے پہونچتا ہے بالخصوص جتنا مراتب بلند ہوں حاسدین بھی اتنا قدر زیادہ ستاتے ہیں چنانچہ یہی کیفیت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کو پیش آئی۔ خود فرماتے ہیں ؎

اک طرف اعدائے دیں اک طرف ہیں حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

صدمات

ظاہر ہے جو کسی محاذ میں مقابلے پر آئے تو اسے سخت صدمات کا سامنا ہوتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کو بھی محاذات میں صدمات کا سامنا ضروری تھا سب کو بیان کروں تو اس کیلئے دفاتر چاہئیں۔ نمونہ کے طور ایک واقعہ پیش کروں جو آپ کو حاسدین کی طرف سے صدمہ پہونچا۔

جناب سید الطاف علی بریلوی اپنی آنکھوں دیکھا حال تحریر فرماتے ہیں کہ

خود مولانا صاحب کے یہاں ۱۲ ربیع الاوّل کو خاص الخاص اہتمام سے محفل میلاد ہوتی جس میں یہ قاعدہ تھا کہ داڑھی رکھنے والوں کو تبرک کا ڈبل حصہ اور بے داڑھی والوں کو ایک حصہ دیا جاتا۔ کم عمری کی وجہ میں بے ریش و بروت تھا۔ اسلئے مجھ کو بھی وہی حصہ ملتا تھا۔ مولانا کے مدرسہ میں قرب و جوار کے طلباء کے علاوہ آسام، بنگال، پنجاب، سرحد، سندھ اور افغانستان تک کے تشنگانِ علوم دینیہ پڑھتے تھے۔ جنہیں کتب درسی اور قیام و طعام کی سہولت مہیا کی جاتی۔ بکثرت طالب علم شہر کی مساجد کی امامت کرتے۔ انہیں کے حجروں میں قیام کرتے اور اہل محلہ ان کے کفیل ہوتے تھے۔ بعض ذہین طلباء شہر کے بازاروں میں آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں سے آئے دن مناظرے بھی کرتے تھے۔ ایک دار الافتا بھی تھا جو استفتاؤں کی روشنی میں ملک کے طول و عرض میں فتوے ارسال کرتے، مسلمانوں کے باہمی تنازعات کو بھی شرع شریف کی رو سے طے کرایا جاتا، اور ہزاروں لوگ مقدمہ بازی کی تباہ کاریوں سے بچ جاتے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی عظمت روحانی اور ان کے فیصلوں کو بے چون و چرا مخالف فریق تسلیم کرتے تھے۔

حضرت کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر مسجد کے شمال مشرقی حصہ میں جہاں ایک سایہ دار درخت بھی تھا، تشریف فرما ہوتے۔ اس مجلس میں حاضری کی اجازت عام ہوتی، بلا روک ٹوک ہر شخص سوال کر سکتا تھا۔ یہ برکت صحبت مغرب کی اذان تک جاری رہتی۔ مولانا صاحب کی اس مسجد میں جمعہ کے روز بھی خاصی بھیڑ بھاڑ اور رونق ہوتی، جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نماز کیلئے ساڑھے تین بجے کا وقت مقرر تھا۔ سارے شہر کے وہ حضرات جو اپنے محلوں کی مسجد میں کسی مجبوری سے بروقت نماز نہ پڑھ سکتے وہ یہاں آجاتے۔ مولانا کے ہی ایک مرید کڑہ مانرائے کے قریب گلی حکیم وزیر علی کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ساڑھے بارہ بجے نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ جس میں ایسے تمام لوگ آتے جنہیں ریل کے سفر یا کسی اور مجبوری کے باعث جلد نماز جمعہ سے فارغ ہوجانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے۔ معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر انتظام ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے۔ مولانا کے اہلِ خاندان کے محلّہ سوداگراں میں بڑے بڑے مکانات تھے۔ بلکہ پورا محلّہ ایک طرح سے انہیں کا تھا۔ محلّہ کے چاروں طرف ہندوؤں کی زبردست آبادی تھی۔ کوئی ایک راستہ بھی ایسا نہ تھا جس کے ہر دو جانب کثیر التعداد ہندو نہ رہتے ہوں، لیکن مولانا صاحب کا وقار جلال کچھ اس طرح کا تھا کہ ہندو مسلم فسادات کی سخت کشیدہ فضا میں بھی کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ تقسیم ملک کی ہولناکیوں کا دور بھی گزر گیا اور ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور جملہ اعزہ متوسلین بخیر و عافیت رہے۔ جسے میں قوتِ ایمانی اور

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی ترست

کا ایک نادر کرشمہ خیال کرتا ہوں۔ سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں بلاشبہ حریت پسند تھے انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں صاحب و مصطفےٰ رضا خاں صاحب کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔ والیانِ ریاست اور حکامِ وقت سے بھی مطلق راہ و رسم نہ تھی۔ بلکہ بقول الحاج سید ایوب علی صاحب مرحوم (جن کو ۲۶ سال تک پیش کار رہنے کا شرف ملا) حضرت مولانا ڈاک کے لفافے پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے۔ یعنی ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کے سر نیچے۔ اسی طرح حضرت کا عہد تھا کہ وہ کبھی انگریزی عدالت میں نہ جائیں گے۔ اس کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ جو میرے مشاہدہ میں آیا علمائے بدایوں سے نماز جمعہ کی اذان ثانی نزد منبر یا صحن مسجد میں ہو، کے مسئلہ پر اختلاف تھا۔ جس کی بناء پر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ اہل بدایوں مدعی تھے اور انہوں نے اپنے ہی شہر کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا تھا۔ مولانا صاحب کے نام عدالت سے سمن آیا، اس پر حاضر نہ ہوئے تو احتمال گرفتاری کی بناء پر ہزاروں عقیدت کیش مولانا صاحب کے دولت خانہ میں جمع ہو گئے۔ نہ صرف جمع ہوئے بلکہ آس پاس کے سڑکوں اور گلیوں میں باقاعدہ ڈیرے ڈال دیئے۔ دن رات اس عزم کیساتھ چوکسی ہونے لگی کہ جب وہ سب اپنی جانیں قربان کر دیں گے تو قانون کے کارندے مولانا کو ہاتھ لگا سکیں گے فدا کاروں اور جانثاروں کا ہجوم جب بہت بڑھ گیا اور محلّہ سوداگراں میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو گھنی آبادی سے دور مسجد نو محلّہ کے قریب ایک کوٹھی میں حضرت کو منتقل کر دیا گیا۔ اس کوٹھی کے سامنے گورنمنٹ ہائی اسکول کا نہایت وسیع کمپاؤنڈ تھا۔ جس میں کئی لاکھ آدمی سما سکتے تھے، اسی کشاکش کے دوران بدایون کی کچہری میں مقدمہ کی پیشیاں ہوتی رہیں، جن میں بکثرت لوگ بریلی سے بھی جاتے تھے۔ اہل بدایوں کا بھی خاصا اجتماع ہوتا۔ ایک دوسرے کے بالمقابل کیمپ لگتے اور ہر لحہ باہمی تصادم کا خوف رہتا۔ ایک پیشی کے موقع پر میں بھی اپنے چچا صاحب کے ہمراہ گیا تھا اور وہاں پہلی اور آخری بار میں نے اس دور کے مشہور ماہر قانون جناب مولوی حشمت اللہ بار ایٹ لاء کو دیکھا۔

یہ سر سید کے دوست تھے۔ ۱۸۹۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہفتم دہلی کے صدر ہوئے۔

فی الوقت میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ مولوی حشمت اللہ صاحب ہی کی کوشش سے مقدمہ مذکور اس طرح خارج ہوگیا کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی آن قائم رہی۔ یعنی وہ ایک مرتبہ بھی حاضرِ عدالت نہ ہوئے اور نہ انہوں نے زبانی یا تحریری کسی قسم کی معذرت خواہی کی کیونکہ بعد ازاں انتہائی پیانہ پر مبارک بادیوں کا سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔ محلہ محلہ اور کوچہ کوچہ سے جلوس نکل کر سڑکوں پر اس طرح گشت کر کے مولانا صاحب کے دولت کدہ پر پہنچتے کہ چھڑکاؤ ہوتا جاتا۔ گلاب پاشی ہوتی اور میلاد خوانوں کی ٹولیاں گلوں میں ہار ڈالے جھوم جھوم کر جوش وخروش کے ساتھ خود مولانا کا نعتیہ کلام بلاغت نظام پڑھتے جاتے، مٹھائی اور ہار پھولوں کی خوان پوش سینیاں بھی جاتیں، جو منزل مقصود پر حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کردی جاتیں۔ حضرت ان سب چیزوں کو مجمع میں تقسیم کرا دیتے۔

دوسرا واقعہ

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی زندگی کا تاریخی اہمیت رکھنے والا واقعہ تحریک خلافت وترک موالات کے تحت ہندو مسلم اتحاد یعنی ہندوستان میں ہر دو اقوام کی متحدہ قومیت کی تحریک کی پُر زور مخالفت تھی۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ جنگ طرابلس و بلقان المیۂ مسجد کانپور اور پہلی جنگ عظیم میں سلطنتِ ترکی کی مکمل تباہی نے عامۃ المسلمین کو انگریزوں سے حد درجہ بدظن کر دیا تھا۔ ہندو بھی بعد از جنگ حکومت کی جانب سے موجودہ حکومت کو خود اختیاری نہ دیئے جانے اور جلیانوالہ باغ کے ہولناک قتل عام کی وجہ سے سخت مشتعل تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے خلاف تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت زور شور سے شروع ہوگئی جس میں ہندو اور مسلمان متفقہ طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ہندو مسلم بھائی بھائی اور متحدہ قومیت کا جذبہ اس قدر عروج کو پہنچ گیا تھا کہ آریہ سماجی لیڈر شردھانند جیسے اسلام دشمن کو جامع مسجد دہلی میں تقریر کیلئے لا کھڑا کیا گیا۔ انگریز دشمنی میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے متبعین بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن ان کے یہاں ہندو دوستی بھی پسند نہیں کی جاتی تھی اور وہ مشرکین سے موالات کو ملتِ اسلامیہ کیلئے خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے۔ لہٰذا انکی جانب سے مخالفت کا زبردست دھماکہ ہوا ایسا دھماکہ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی گونج دور دور تک پہنچ گئی۔ مولانا کو یقین تھا کہ مسلمان ہندو قومیت میں ضم ہوگئے تو نہ صرف ان کا دین وایمان خراب ہوجائے گا بلکہ ان کا سیاسی مستقبل بھی تاریک ہوجائے گا۔ انگریزوں کے جانے کے بعد جو جمہوری نظام حکومت قائم ہوگا اور مذہبی بنیاد پر اکثریت واقلیت کا تعین ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام رہ جانے کے باعث وہ اپنے قومی وملی تشخص سے بالکلیہ محروم ہوجائیں گے۔ ان کا مذہب، کلچر اور زبان سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔

اسی تاثیر کے تحت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں اور ان کی جماعت اہلسنت کے ارکان واکابر نے ہندوستان کے طول وعرض

کے دورے کیے۔ گھر گھر پیغام حق پہنچایا۔ کانگریسی مسلمانوں، بالخصوص جمیعۃ العلمائے ہند اور فرنگی محلی علماء سے بڑے بڑے معرکہ مناظرے اور مقابلے ہوئے اور یہ ان کی حق گوئی کا نتیجہ تھا کہ چند سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ہندو مسلم موالات کا طلسم ٹوٹ گیا، روزمرہ کی زندگی اور سرکاری و نیم سرکاری محکموں میں ہندوؤں کی جارحانہ بالادستی اور خودغرضی کھل سامنے آ گئی۔ شدھی سنگھٹن کی قابلِ نفرت تحریک نے بھی جنم لے کر آناً فاناً ہولناک صورت اختیار کرلی۔ بظاہر غیر متعصب ہندو کانگریسی رہنماؤں کی مسلم دوستی کی بھی نہرو رپورٹ کی شکل میں حقیقت عیاں ہوگئی۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو دوقومی نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کو پورے زور شور کے ساتھ عملی جامہ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے عقیدت کیشوں نے پہنایا، بعدازاں محمد علی جناح نے ۱۹۳۶ء سے اس نظریہ کو نہایت منظم بنیادوں پر پایہ تکمیل کو پہنچایا اور پاکستان وجود میں آیا۔

فانی ز حیاتِ من آشفتہ چہ پر سند! مرگے است کہ از ہستی جاوید پیام است

(ماہنامہ ترجمان لاثانی علی پور شریف)

خاتمہ

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے قلمی جہاد کی برکت ہے کہ آج سنّی مذہب بھروپیوں کے مکروفریب سے محفوظ ہیں، بلکہ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت ہے کہ جو بھی کہیں بھی مسائل وعقائد اہلسنّت سے سرشار ہے اسے مخالفین بریلوی کہتے ہیں اگرچہ وہ اعلیٰ حضرت کا نام تک نہ جانتا۔ بلکہ فقیر نے آنکھوں سے ایسے بھی دیکھے کہ اعلیٰ حضرت سے دشمنی کا اظہار کرتے ہیں تب بھی مخالفین کے اس لقب سے نہیں بچ سکتے۔

دور حاضرہ میں اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے خلاف تحریک چلائی جارہی ہے کہ بریلوی مکتبہ فکر کے لوگ اعلیٰ حضرت کے خلاف اپنی تحقیق کو ترجیح دیں لیکن یہ بھی اپنا نقصان کریں گے اور آخرت میں رُسوا ہوں گے، لیکن اعلیٰ حضرت کا نام زندہ اور تابندہ رہے گا۔

جب تک آسمان پر چاند رہے گا اعلیٰ حضرت چمکتا ترا نام رہے گا

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۲۷ محرم ۱۴۲۳ھ

بہاول پور۔ پاکستان